کیا جائے تو اس کو بھی قبول نہیں کرتے۔ اب غالباً چینی اور ٹمبکٹوی زبانوں کا مطالبہ ہوگا۔ غیر قومیں ہمارے ممالک میں جو رسالے شائع کرتی ہیں ان کی تعداد اشاعت پچاس پچاس ہزار تک پہنچتی ہے۔ پارسی قوم کا ایک اخبار جو گجراتی میں شائع ہوتا ہے ۶۵ ہزار کی اشاعت رکھتا ہے۔ ہندو قوم کا ایک ماہوار مذہبی رسالہ جو ہندی میں نکلتا ہے، چالیس ہزار تک پہنچ چکا ہے۔ انگریزوں اور ہندوؤں کے بعض اخبارات اور رسالے جو انگریزی زبان میں شائع ہوتے ہیں نصف لاکھ یا اس سے کچھ کم و بیش تک اشاعت حاصل کر چکے ہیں۔ مگر مسلمانوں کے بہتر سے بہتر اخباروں اور رسالوں کو بھی ہزار دو ہزار سے زیادہ اشاعت نصیب نہیں ہوتی۔ چار پانچ ہزار تک جو پہنچ گیا اسے گویا معراج حاصل ہوگئی۔ حوصلوں کا یہ حال ہے اور پھر ہمسایہ قوموں کے مقابلہ میں سربلند ہونے کی آرزو ہے۔

ہم جن اغراض کے لیے Voice of Islam جاری کرنا چاہتے تھے اور اب تک نہ کر سکے ان کو Genuine Islam بخوبی پورا کر سکتا ہے۔ مسٹر جلیل انوری ارادہ رکھتے ہیں کہ ترجمان القرآن کے خاص خاص مضامین کو انگریزی زبان میں منتقل کریں۔ ناظرین ترجمان القرآن میں سے جو اصحاب انگریزی زبان پر قدرت رکھتے ہوں وہ بھی ضروری مضامین کے ترجمے بھیج کر ان کا ہاتھ بٹا سکتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ انگریزی تعلیم یافتہ حضرات کثرت سے اس رسالہ کو خریدیں اور ایڈیٹر کو اس قابل بنا دیں کہ وہ چین اور جاپان اور جزائر ملایا اور مشرق و مغرب کے دوسرے ممالک میں اس آواز کو پھیلا سکیں۔ ایک وسیع حلقۂ اشاعت کے بغیر کسی بلند پایہ رسالہ کو چلانا اور ایک طاقت ور آرگن بنانا جتنا اردو میں مشکل ہے اس سے بدرجہا زیادہ انگریزی میں مشکل ہے۔

ابھی زیادہ دن نہیں گذرے کہ ہم نے علی گڈھ یونیورسٹی کی تعلیم دینی پر کچھ اظہار خیال کیا تھا۔ ممکن ہے کہ اس وقت ہمارے بعض خیالات کو لوگوں نے انتہا پسندی پر محمول کیا ہو۔ مگر حال ہی میں "مسلم"

یونیورسٹی کے ایک "مسلم" پروفیسر نے "مذہب" پر توسیعی خطبہ (Extention Lectue) ارشاد فرماتے ہوئے جو گہرافشانی کی ہے وہ غالباً اصحاب ہوش کی آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہوگی۔ اس خطبہ کی رپورٹ اسٹیٹسمین میں شائع ہو چکی ہے اور اس کے چند فقرے یہ ہیں۔

"انسانی سوسائٹی کے ابتدائی مرحلۂ ارتقا میں وحی بحیثیت ایک اساس مذہب کے نہایت کارآمد تھی کیونکہ اس سے تنقید کا سدباب کیا جاسکتا تھا لیکن حق و صداقت کے حصول کا ذریعہ ہونے کی حیثیت سے وہ صرف یہی نہیں کہ ناقابل اعتبار رہے بلکہ فوق الفطری (Super Natural) ہونے کی وجہ سے جدید انسان کو متاثر کرنے میں ناکام بھی ہوتی ہے۔

"جب مذہبی نظریات کو قانون علیت (Law of Causality) کے نقطۂ نظر سے جانچا جاتا ہے تو بہت جلدی ان کے پرخچے اڑنے لگتے ہیں۔"

"میرے نزدیک یہ بات واضح ہے کہ اخلاق کو جنت اور دوزخ پر مبنی نہ ہونا چاہیے بلکہ اسے ایک ترقی پذیر سائنس ہونا چاہیے اور عام انسانی ترقی کے ساتھ ساتھ بڑھنا چاہیے"۔

یہ ہے وہ تعلیم جو ہماری یونیورسٹی میں طلبہ کو دی جا رہی ہے اور یہ ہیں وہ مرشدان تعلیمی جو علم کے میدان میں ہماری نوخیز نسلوں کی رہنمائی کے لیے منتخب کیے گئے ہیں۔ آپ مسلمان لڑکوں کو خواہ مار مار کر نماز پڑھائیے خواہ نماز نہ پڑھنے پر انھیں رسٹیکیٹ کیجیے، خواہ دینیات لازمہ میں ناکام ہونے پر انہیں امتحانات میں فیل کر دیجیے، لیکن جہاں ان کے دماغوں میں اس قسم کے خیالات بھرے جاتے ہوں وہاں یہ امید رکھنا کہ نماز ان کے دلوں میں اتر جائے گی اور دینیات پر وہ سچے دل سے ایمان لائیں گے اور اسلام کی کوئی وقعت ان کی نگاہ میں ہوگی، بالکل فضول ہے۔ ہم یہ بات پہلے بھی کہہ چکے ہیں اور اب پھر کہتے ہیں کہ جس یونیورسٹی میں تمام علوم غیر اسلامی بلکہ اسلام کے مخالف نقطۂ نظر سے پڑھائے جاتے ہوں، اور جہاں دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں سے پورے ۲۲ گھنٹے طلبہ کو "جدید انسان" بنانے میں

صرف کیے جا رہے ہوں، وہاں ایک چوبیسواں گھنٹہ دینیات کی تعلیم کے لیے رکھنا محض تضیع اوقات ہے دینیات کا ایک کورس بدل کر دوسرا کورس رکھ دیجیے اور آسمان سے کسی فرشتے کو بلا کر اس کے پڑھانے پر مقرر کیجیے تب بھی نتائج وہی رہیں گے جو اب ہیں۔

پروفیسر صاحب جنہوں نے مذہب پر خطبہ ارشاد فرمایا ہے، غالباً بلکہ یقیناً رشنلسٹ ہی ہوں گے کیونکہ ہر "جدید انسان" رشنلسٹ ہونے کا مدعی ہے اور اہل مذہب کے مقابلہ میں رشنلزم کا اجارہ اُس کا پیدائشی حق ہے۔ اب ذرا اُن چند فقروں پر گہری نہ سہی ایک ہلکی سی تنقید (وہی تنقید جس کا وحی نے سدباب کر دیا تھا) کیجیے، جو ان کی زبان مبارک سے خارج ہوئے ہیں۔

آپ کیمسٹری کے معلم ہیں، اور مذہب پر کلام فرما رہے ہیں۔ سب سے پہلے ان سے دریافت کیجیے کہ آپ نے مذہب کا کتنا مطالعہ فرمایا ہے؟ کون کون سی کتابیں ملاحظہ کی ہیں؟ کتنا وقت مذہبی مسائل پر غور و خوض کرنے میں صرف کیا ہے؟ اگر ان کے اخلاق (جنت دوزخ والے نہیں بلکہ ترقی پذیر اخلاق) میں صداقت کوئی چیز ہے تو وہ خود ہی اُس بات کا اعتراف کریں گے جو ہم نے ان کا خطبہ پڑھ کر اخذ کی ہے، یعنی یہ کہ انہوں نے مذہب کا کچھ بھی مطالعہ نہیں کیا، صرف چند ایسے تنقیدی مضامین پڑھے ہیں جو بعض مغربی مصنفین نے زیادہ تر عیسائی مذہب کو پیش نظر رکھ کر لکھے ہیں، اور اس خارجی و سرسری مطالعہ پر بھی تفکر اور محققانہ غور و خوض کے لیے ان کو کچھ زیادہ وقت نہیں ملا ہے۔ اس کے بعد کس نے کہا تھا کہ آپ مذہب پر اظہار رائے فرمائیں؟ کیا ایک رشنلسٹ کا یہی کام ہے کہ وہ کسی ایسے مسئلہ پر اظہار خیال کرے جس پر اس نے کافی مطالعہ اور کافی غور و خوض نہ کیا ہو؟

آپ کا اسم گرامی حید رخاں ہے۔ مسلمانوں کا سا نام۔ غالباً کوئی بھی یہ نام سن کر نہیں کہہ سکتا کہ آپ مسلمان نہیں ہیں۔ اس نام سے موسوم ہوتے ہوئے آپ فرماتے ہیں کہ "حق و صداقت کے حصول کا ذریعہ ہونے کی حیثیت سے وحی ناقابل اعتبار ہے" اس سے زیادہ صریح الفاظ میں قرآن اور رسالت

کی تکذیب اور کوئی نہیں ہو سکتی، اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ بیک وقت مسلمان بھی ہونا اور قرآن و رسالت کی تکذیب بھی کرنا اجتماع ضدین ہے۔ اب اگر آپ خود بھی اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے ہیں تو ریشنلسٹ ہونا تو درکنار کوئی صاحب عقل یہ بھی تسلیم نہ کریگا کہ آپ کے کاسۂ سر میں دماغ موجود ہے۔ اور اگر آپ اس حقیقت سے واقف ہیں کہ یہ اعتقاد قبول کرنے کے ساتھ ہی آپ اسلام سے خارج ہو گئے، تو آپ کو سب سے پہلے اپنے خارج از اسلام ہونے کا اعلان کرنا چاہیے تھا، اور اپنا وہ اسم گرامی بدلنا چاہیے تھا جس کی وجہ سے عرف عام کی بنا پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ آپ مسلمان ہیں۔ ریشنلزم کے اخلاق یعنی ترقی پذیر سائنس میں منافقت اور دھوکہ بازی تو شاید ابھی جائز نہ ہوئی ہوگی

آپ وحی کے متعلق اظہار رائے فرماتے ہیں، مگر یہ متعین نہیں کرتے کہ وحی سے آپ کی مراد کیا ہے؟ حدود متعین کرنے سے پہلے ایک مبہم چیز پر اظہار رائے کرنا کسی ریشنلسٹ کا کام نہیں ہو سکتا۔ ایسا ہی بلکہ اس سے زیادہ مبہم لفظ فوق الفطری ہے جس سے آپ نے وحی کی تعریف کی ہے۔ فاضل متکلم کیا اگر بولنے سے پہلے یہ تحقیق فرما لیتے کہ اسلام میں وحی کا مفہوم کیا ہے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ اس وحی کو تنقید کا سدباب کرنے کے لیے کبھی نازل نہیں کیا گیا بلکہ اس نے تنقید کو خود دعوت دی ہے اور اسی کی بدولت "جدید انسان" دور تنقید میں داخل ہوا ہے۔ نیز اگر وہ "لفظ فوق الفطری" کے حدود متعین کرتے تو یہ تحقیق کرنا کچھ مشکل نہ تھا کہ ایک معنی میں تو وحی فوق الفطری ہی نہیں ہے، اور دوسرے معنی میں اگر ہے بھی تو عقل اور تجربے اور مشاہدے کے ذریعہ سے اس کی صداقت جانچی جا سکتی ہے لہٰذا "جدید انسان" کا اس سے متاثر نہ ہونا اس کے غیر حق ہونے کی دلیل نہیں بلکہ اس بات کی دلیل ہے کہ "جدید انسان" "عقل اور سائنٹفک اسپرٹ" سے اب تک عاری ہے اور اس پر ابھی تک تعصب اور نفرت کے ان جذبات کا غلبہ ہے جو گذشتہ چار پانچ صدیوں میں معرکۂ مذہب و سائنس سے دراصل مسیحی پادریوں کے خلاف پیدا ہوئے اور پھر ہر اس چیز کے خلاف پھیل گئے، جو مذہب کی طرف کسی طرح کی نسبت رکھتی ہو۔ اگر "جدید انسان" متعصب نہ ہوتا اور کھلے دل کے ساتھ ایک سائنٹسٹ کی طرح وحی کی جانچ کرتا تو ہرگز وہ خیالات ظاہر نہ کرتا جو اس نے ظاہر کیے ہیں، اور وحی اس کو متاثر کرنے میں کبھی ناکام نہ ہوتی

ایک ریشنلسٹ کا مقام تو بہت اونچا ہے، اس سے ادنیٰ درجے میں بھی جس کو عقل سے کچھ بہرہ ملا ہو وہ اتنی معمولی بات تو

ضرور سمجھ سکتا ہے کہ جب کسی چیز کو دیکھنے اور جانچنے سے پہلے اس کے متعلق مخالفانہ رائے قائم کر لی جائے تو وہ آدمی کو متاثر کرنے میں خواہ مخواہ ناکام ہو گی، اور اس کا ناکام ہونا خود اس کے کسی قصور پر مبنی نہ ہو گا بلکہ قصور اس آدمی کا ہو گا جس نے پہلے ہی سے اپنے دل کے دروازے بند کر لیے۔

فاضل پروفیسر نے ان مذہبی نظریات کی کچھ بھی تشریح نہیں فرمائی جو قانون علیّت کے نقطۂ نظر سے جانچ کے پہلے ہی حملہ پر پاش پاش ہو جاتے ہیں۔ اگر وہ مذہبی نظریات غیر اسلامی ہیں تو خواہ وہ پاش پاش ہوں یا نہ ہوں ہمیں ان سے کچھ مطلب نہیں، اور اگر وہ اسلامی نظریات ہیں تو براہ کرم وہ ایک ہی نظریہ کو لیکر قانون علیّت کے نقطۂ نظر سے جانچیں اور ہم کو بتائیں کہ کس طرح اس کے پرخچے اڑتے ہیں۔ ہمیں اندیشہ ہے کہ وہ تفصیل میں جانے کی جرأت نہ کریں گے، لیکن اگر وہ کافی ہوشیار نہیں ہیں اور انہوں نے ایسی جرأت کی تو بہت جلدی یہ حقیقت کھل جائے گی کہ ان کو یا تو مذہبی نظریات کے متعلق کچھ بھی معلوم نہیں، یا وہ قانون علیّت کے متعلق بہت کچھ غلط فہمی میں ہیں۔ علیگڈھ میں ترجمان القرآن کے متعدد ناظرین موجود ہیں۔ اگر وہ پروفیسر صاحب کو اپنے مدعا کی توضیح پر آمادہ کر سکیں تو ہم ان کے شکرگذار ہوں گے۔

"اخلاق کو جنت اور دوزخ پر مبنی نہ ہونا چاہیے"۔ بالکل درست۔ مگر یہ کس نے آپ سے کہدیا کہ اسلام میں اخلاق جنت اور دوزخ پر مبنی ہے؟ جنت اور دوزخ اخلاق کے آخری نتائج ہیں نہ کہ اس کی اساس۔ اگر کسی سے یہ کہا جائے کہ چوری کرو گے تو جیل جاؤ گے تو کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ چوری کا ایک برا فعل ہونا جیل پر مبنی ہے؟ یا اگر کسی کو یہ خبر دی جائے کہ سچ بولو گے تو تم کو عزت کا مقام دیا جائے گا، تو کیا اس سے یہ مطلب نکالا جا سکتا ہے کہ صداقت کی اساس مقام عزت ہے؟ جن لوگوں کی معلومات اس قدر سطحی ہیں، حیرت ہوتی ہے کہ وہ مذہب پر خطبہ دینے کی جرأت کیسے کرتے ہیں۔ فاضل خطیب نے اگر قرآن کا مطالعہ کیا ہوتا تو ان کو معلوم ہوتا کہ وہ خیر و شر کا ایک ایسا نظریہ پیش کرتا ہے جس کی بلندیوں تک ان کے ائمۂ فرنگ کے دماغوں کی رسائی نہیں ہوئی۔ وہ خیر کو "معروف" کے نام سے موسوم کرتا ہے اور شر کو "منکر" کہتا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ نیکی اور بدی کی اساس انسانی فطرت پر قائم ہے۔ فطرت کے مطابق ٹھیک چلنے کا نام نیکی ہے اور اس کا

انجام یہ ہے کہ انسان ترقی کرکے اس مرتبے پر پہنچ جائے جہاں سب کچھ اس کی مرضی کے مطابق ہو اور کوئی چیز اسکی مرضی کے خلاف نہ ہو، لَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ۔ اور فطرت کے خلاف عمل کرنیکا نام بدی ہے اور اس کا انجام یہ ہے کہ انسان مقام انسانیت سے گر جائے اور تنزل کے اس مرتبہ میں پہنچ جائے جہاں سب کچھ اسکی مرضی کے خلاف ہو اور کچھ بھی اس کے لیے مرغوب اور پسندیدہ نہ ہو۔

یہ بات اگر فاضل پروفیسر کو معلوم ہوتی تو وہ کبھی یہ نہ کہتے کہ "اخلاق کو ایک ترقی پذیر سائنس ہونا چاہیے اور عام انسانی ترقی کے ساتھ ساتھ بڑھنا چاہیے"۔ حکمت اخلاق کے اس بلند مرتبے پر پہنچنے کے بعد پروفیسر صاحب کو خود محسوس ہو جاتا کہ یہ اخلاقی نظریہ جس کو وہ بہت بلند سمجھ کر پیش فرما رہے ہیں کس قدر پست ہے۔ آپ اخلاق کو ناپائدار بنیادوں پر قائم کرنا چاہتے ہیں۔ آپ کی رائے میں اساس اخلاق کا استحکام اس کا عیب ہے، اور اس کی خوبی یہ ہے کہ وہ جنتری کے ساتھ ساتھ بدلتا چلا جائے۔ آپ کا مطلب غالباً یہی ہے کہ کل جو چیز نیکی تھی ضرور نہیں کہ وہی آج بھی نیکی ہو، اور کل جو بدی تھی اس کو آج بھی بدی سمجھنا جمود اور تاریک خیالی ہے۔ انسانی ترقی کے ساتھ ساتھ اخلاق کی ترقی کے معنی یہ ہیں کہ کل تک انسان جن باتوں کو انتہائی بداخلاقی سمجھتا تھا، آج اس کو وہی باتیں فخریہ برسرعام کرنی چاہئیں، اور کل جن افعال کو وہ نیکی سمجھتا تھا آج انہیں حماقت اور دقیانوسیت سے تعبیر کرنا چاہیے۔ اخلاقی معراج کی یہ وہ انتہائی بلندی ہے جس تک ایک مادہ پرست انسان کا تصور پہنچ سکتا ہے۔ اس کے اخلاق کی بنیاد درحقیقت ہوائے نفس اور خواہشات و جذبات اور لذت پرستی و منفعت طلبی پر ہوتی ہے اور اس کی تائید میں وہ علمی انکشافات اور فکری ارتقاء اور تخیلات کے تحول و انقلاب اور مادی وسائل کی ترقی سے مدد لیتا ہے۔ اس لیے لامحالہ اس کے اخلاق کو ایک "ترقی پذیر سائنس" ہی ہونا چاہیے لیکن یہ حیوانیت کا مقام ہے۔ انسانیت کا تقاضا یہ ہے کہ اخلاق کی اساس فطرت انسانی پر ہو، اور فطرت چونکہ ایک غیر متبدل شے ہے اس لیے فطری اخلاق کی اساس بھی غیر متبدل اور غایت درجہ مستحکم ہونی چاہیے۔ تغیرات احوال اور ترقیات علمی و عقلی سے اس کے مظاہر بدل سکتے ہیں، اس کے مواقع میں تغیر آسکتا ہے۔ اس کی صورتیں مختلف ہو سکتی ہیں، مگر اس کی بنیاد اپنی جگہ سے نہیں ٹل سکتی۔ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ۔ ذٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ۔